بسم اللہ بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنی اسرائیل

اور

اب امت مسلمہ

فہرست

ابتدائیہ 3

خلاصہ کلام 4

بنی اسرائیل 5

بنی اسرائیل کے دو ادوار: 6

امت مسلمہ 18

امت مسلمہ کا عروج اور زوال: 20

امت مسلمہ کا عروج: 20

امت مسلمہ کا زوال: 23

پہلا زوال عربوں پر: 24

دوسرا زوال عجمیوں پر: 25

دونوں امتوں کے عروج اور اسکے زوال کے بتانے کا مقصد: 27

اب حل کیا ہے؟ 28

ابتدائیہ

اس پورے کتاب میں زیادہ تر تحریر تفہیم القرآن (مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ) اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ مرحوم کے ویڈیو تقاریر سے لی گئی ہے۔ اس کتاب کا مقصد تمام امت مسلمہ کو تفریق سے نکال کر اس اصل مقصد کی طرف لانا ہے۔ جسے اللہ نے ہمیں آج سے ۱۴ سو سال پہلے دی ہے۔ جس کے ذریعے پوری امت مسلمہ مل کر اس کفرانہ اور ظالمانہ نظام کے خلاف جدوجہد شروع کرے، اور اپنے اندر اختلافات کو ختم کرے۔

اللہ سے دُعا ہے کہ اللہ ہماری اس کوشش کو جنت کا ذریعہ بنائے۔ امین

طالب دعاے خیر

محمد یاسر

خلاصہ کلام

ہم سے پہلے بھی اللہ نے ایک امت کو ذمہ داری دی۔ لیکن انہوں نے وہ پوری نہیں کی۔ جس کے نتیجے میں اللہ نے دنیا میں بھی سزا دی اور آخرت میں بھی گرفت ہو گی۔ اب وہ ذمہ داری ہماری ہے کہ ہم اس اللہ کی زمین پر اللہ تعالی کا ہی نظام نافذ کرنے کی ہر ممکن حد تک کوشش کریں اور اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ اب تک ہم غافل رہیں ہے اور اسکی سزا بھی ہمیں مل چکی ہے اور ابھی تک وہی سزا بگت رہیں ہیں۔ اب ہمارے سامنے دجالی نظام پوری طرح دنیا پر حاوی ہو چکا ہے۔ لیکن ہم نے اس نظام کا مقابلہ کرنا ہے اپنی آنے ولی نسلوں کو اس تباہی سے بچا کر قرآن اور حدیث سے جوڑنا ہیں۔ پوری اُمت کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اختلافات اور فرقہ واریت کو ختم کر کے متحد ہو کر اس دجالی نظام کا مقابلہ کرنا ہے۔ اس دجالی فتنے نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ دجالی نظام کے تین بنیادی مقاصد ہے۔ پہلا (نعوذ باللہ) اللہ کی جگہ اپنے آپ کو یا نفس کو اپنا خدا سمجھو۔ یعنی آپ کا جو جی چاہے کر سکتے ہے آپ کی مرضی ہے۔ آپ کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سب سے بڑھ کر جو کوشش کی جا رہی ہے وہ اللہ کو حکومت سے، ریاست سے، سیاست سے، عدل سے، قانون سے ان سب سے نکال کر بس صرف پوجا پاٹ کے لئے چھوڑا جا رہا ہے۔ وہ بھی جس کی مرضی ہو۔ دوسرا پوری دنیا میں معاشیات کا یا اقتصادیات کا نظام سود پر ہو گا۔ ان دو میں وہ پوری طرح کامیاب ہو چکے ہیں۔ پوری دنیا میں اللہ کے نظام کو نکال کر انسانوں کے نظام قائم کر دیئے ہیں۔ سود کا نظام ساری دنیا میں قائم کر دیا۔ مسلم اور غیر مسلم دونوں ملکوں میں ان دو نکات میں وہ کامیاب ہو چکے ہے۔ آخری اور تیسرا: وسیع الفاظ میں اگر کہا جائے تو بے حیائے کو عام کرنا۔ اس میں یورپ پوری طرح غرق ہو چکا ہے اور امت مسلمہ میں الیٹ کلاس طبقہ اس کا شکار ہو گیا ہے اور نیچے طبقوں میں بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ پھیلایا جا رہا ہیں۔ ان سب کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں اسلامی مجاہدین بننے ہو گے۔ جو اسلام کو سمجھ کر اس پر عمل کر کے قرآن و سنت کے دائرے کے اندر مقابلہ کرے۔ تو آیئے مل کر اس قوم کو اکھٹا کرے اور قرآن و سنت کو بنیاد بنا کر ہر گھر سے اسلام کے مجاہدین تیار کرے۔ تاکہ ہم ان کا مقابلہ سیاسی، معاشی، تعلیمی اور سائنسی میدان میں کریں اور اس فتنے کو دبا کر اسلام کا بہترین نظام قائم کرنے کی کوشش کریں۔

سب اپنے اپنے دائرے کے اندر آج سے کوشش شروع کرے۔ قرآن و سنت سے اپنا رشتہ جوڑ کر اسلام کا سپاہی خود بھی بنے اور اپنے رشتہ دار، پڑوسی اور دوستوں کو بھی بنانے کی کوشش کریں۔

بنی اسرائیل

آج کے اس دور میں ہر مسلمان ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہے۔ پوری امت مسلمہ پریشان حال ہیں۔ اگر اس دور میں ہم امت مسلمہ پر ایک نظر ڈالے تو ایک مظلوم، بے چاری، ذلیل شدہ امت ہمیں نظر آتی ہے۔ کفار نے ہمیں ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔ ہر مسلمان علاقوں یا ملکوں میں کفار نے ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ جن مسلمان ممالک میں جنگ نہیں وہاں پر اللہ نے ناقص حکمران مسلط کر دیے ہیں۔ کیا آپ نے یہ سوچا ہے کہ آخر کیوں ایسا ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ ان سارے حالات کو سمجھنے کے لئے آپ کو پچھلی امت پر ایک نظر ڈالنی ہو گی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی نعمتوں سے نوازا تھا۔ اور پوری انسانیت پر فضیلت عطا کی تھی۔ لیکن پھر ایسا کیا ہو کہ وہی قوم پھر ذلت کا شکار ہوئی اور اللہ نے مختلف لوگوں کو ان پر مسلط کر دیا تھا۔ امید ہے کہ آپ کو پتا چل گیا ہو گا کہ میں کس قوم کی بات کر رہا ہوں یعنی بنی اسرائیل جو یعقوبؑ کی اولاد تھی۔ جسے ہم آج یہودیوں کے نام سے جانتے ہیں۔

بنی اسرائیل سب سے پہلے یوسفؑ کے دور میں مصر آے اور وہاں پر آباد ہوئے۔ یوسفؑ سے لے کر موسیٰؑ کے بعث تک تقریباً چار صدیاں گزر چکی تھی اور اس دوران اس فرعون کی حکومت آئی جس نے بنی اسرائیل پر ظلم کیا تھا۔ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر صحرائے سینا اور پھر فلسطین منتقل ہو گے۔ اور پھر نبیوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا اور عیسیٰؑ پر اسکا اختتام ہوا۔ اس قوم کو اللہ نے تین کتابیں اور بہت سے صحیفے دیے۔ اللہ نے اس قوم کو بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا اور سب سے بڑی نعمت اس وقت تمام انسانوں پر فضیلت عطاء کی۔ اللہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہے کہ

"اے بنی اسرائیل ! یاد کرو میری نعمت کو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں دنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطاء کی۔" سورۃ البقرہ ایت نمبر 47

اس ایت میں اس دور کی طرف اشارہ ہے جب کہ تمام دنیا کی قوموں میں ایک بنی اسرائیل کی قوم ہی ایسی تھی۔ جس کے پاس اللہ کا دیا ہوا علم حق تھا اور جسے اقوام عالم کا امام و رہنما بنا دیا گیا تھا، تاکہ وہ بندگی رب کے راستے پر سب قوموں کو بلائے اور چلائے۔ اللہ نے اس قوم کو کتاب دی اور نبوت عطاء کی۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہے کہ

"اس سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطاء کی تھی۔ان کو ہم نے عمدہ سامان زیست سے نوازا اور دینا بھر کے لوگوں پر انہیں فضیلت عطاء کی۔" سورۃ الجاثیہ ایت نمبر 16

اللہ نے کتاب دی نبوت عطاء کی اور حکم عطاء کیا۔ حکم سے مراد تین چیزیں ہیں۔ایک ، کتاب کا علم و فہم اور دین کی سمجھ۔دوسرا، کتاب کے مطابق کام کرنے کی حکمت ۔تیسرا، معاملات میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت۔یہی وجوہات تھی جس کی وجہ سے اللہ نے بنی اسرائیل کو اس وقت پورے دنیا بھر کے لوگوں پر فضیلت دی۔لیکن بنی اسرائیل نے اپنا کام پورا نہیں کیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ الٹا بہت سے انبیاء کرامؑ کو قتل کیا۔اللہ کے ساتھ شرک کیا اور اخلاق کے نچھلے ترین درجے پر چلے گئے۔اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہے کہ

"انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور متعدد پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔" سورۃ النساء ایت نمبر 155

درحقیقت یہ لوگ باطل پرست جہلا کی طرح اس بات پر فخر کرتے تھے کہ جو خیالات اور تعصبات اور رسم ورواج ہم نے اپنے باپ دادا سے پائے ہیں ان پر ہمارا عقیدہ اتنا پختہ ہے کہ کسی طرح ہم ان سے نہیں ہٹائے جا سکتے۔جب کبھی خدا کی طرف سے پیغمبر نے آکر ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔انہوں نے ان کو یہی جواب دیا کہ تم خواہ کوئی دلیل اور کوئی آیت لے آو ہم تمہاری کسی بات کا اثر نہیں لے گے۔جو کچھ مانتے اور کرتے چلے آئے ہیں وہی مانتے رہیں گے۔انہی وجوہات کی بنا پر اللہ نے بنی اسرائیل کو امامت کے مرتبے سے گھرا کر ذلت پستی اور بدحالی میں مبتلا کر دیا۔اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہے کہ

"ذلت وخواری اور پستی وبدحالی ان پر مسلط ہو گئی اور اللہ کے عذاب میں گر گئے۔" سورۃ البقرہ ایت نمبر 61

پھر اسی طرح اللہ کا عذاب ان پر مسلط کر دیا گیا۔یہ سب اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا۔جو ذمہ داری دی گئی تھی اسے پورا نہیں کیا گیا۔

بنی اسرائیل کے دو ادوار:

اللہ نے بنی اسرائیل کو مختلف اوقات میں سزائیں دی۔اس حوالے سے تاریخ کے کچھ اوراق ملتے ہے کہ اخر یہودیوں کو کس طرح ذلیل کیا گیا۔اس حوالے سورۃ بنی اسرائیل کی ایات کی تفصیل میں مختلف تفاسیر میں مواد ملتا ہے جسے پرانہ عہد نامہ اور نیا

عہد نامہ اور کچھ تاریخی کتابوں سے لیا گیا ہے۔ پوری تفصیل تو آپ " تفہیم القرآن " یا "یہودیت قرآن کی روشنی " چوتھی اشاعت میں دیکھ سکتے ہے۔ جسے مولانا ابوالا علیٰ موذودیؒ نے تصنیف کئے ہے۔ قرآن میں سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے کہ

" پھر ہم نے اہل کتاب میں بنی اسرائیل کو اس بات پر بھی متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی کرو کے "سورۃ بنی اسرائیل ایت نمبر 4

یہاں کتاب سے مراد تورات نہیں ہے۔ بلکہ صُحُفِ آسمانی کا مجموعہ ہے جس کے لئے قرآن میں اصطلاح کے طور پر لفظ الکتاب کئی جگہ پر استعمال ہوا ہے (تفہیم القرآن، سورۃ بنی اسرائیل حاشیہ نمبر 5)۔ پہلے فساد اور اسکے نتائج کے بارے میں بائیبل کے عہد نامہ قدیم کے زبور، یسعیاہ، یرمیاہ اور حزقی ایل میں متنبہ کیا گیا تھا۔ دوسرے فساد کے بارے میں عہد نامہ جدید کے متی اور لوقا میں موجود ہے۔ قرآن کی اس ایت کی تصدیق کے لئے چند عبارات :

"انہوں نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا جیسا خداوند نے ان کو حکم دیا تھا بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے اور ان سے کام سیکھا اور ان کے بتوں کی پرستش کرنے لگے جو ان کے لئے پھند بن گیا۔ بلکہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو شیاطین کے لئے قربان کیا اور معصوموں کا یعنی اپنے بیٹے اور بیٹیوں کا خون بہایا۔۔۔ اسلئے خداوند کا قہر اپنے لوگوں پر بھڑ کا اور اسے اپنی میراث سے نفرت ہو گئ اور ان قوموں کے قبضے میں کر دیا۔ اور ان سے عداوت رکھنے والے ان پر حکمران بن گئے۔ "عہد نامہ قدیم، زبور، باب 106، آیات 34 سے 41

یہ ہے وہ بیان جو زبور میں موجود ہے۔ اس عبارت میں وہ واقعات جو بعد میں ہونے تھے اس انداز میں بیان کیے گئے ہے کہ جیسے پہلے ہی ہو چکے ہے۔ مگر یہ کتب آسمانی کا خاص انداز بیاں ہے۔ جس میں بصیغہ ماضی کے ذریعے تنبیہ دی گئ تھی۔ پھر جب فساد عظیم رونما ہو گیا تو اس کے نتیجے میں آنے والی تباہی کی خبر حضرت یسعیاہ نبی نے اپنے صحیفے میں یوں بیان کیا کہ

"آہ خطاکار گروہ، بدکرداری سے لدی ہوئی قوم، بدکرداروں کی نسل، مکار اولاد جنہوں نے خداوند کو ترک کیا اسرائیل کے قدوس کو حقیر جانا اور گمراہ و برگشتہ ہو گئے تم کیوں زیادہ بغاوت کر کے اور مار کھاوگے۔ "عہد نامہ قدیم، یسعیاہ، باب 1، آیات 4 سے 5

"اس قوم کی لاشیں ہوائی پرندوں اور زمین کے درندوں کی خوراک ہوں گی اور ان کو کوئی نہ ہنکائے گا۔ میں یہودہ کے شہروں میں اور یروشلم کے بازاروں میں کوشی اور شادامانی کی آواز، دولہا اور دولہن کی آواز موقوف کر دونگا کیونکہ یہ ملک ویران ہو جائے گا" عہد نامہ قدیم، یرمیاہ، باب 7، آیات 33 سے 34

دوسرے فساد کے حوالے سے حضرت عیسیٰؑ نے عہد نامہ جدید کے باب متّی میں ایک مفصل خطبہ درج ہے جس میں وہ اپنی قوم کے شدید اخلاقی زوال پر تنقید کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو اپنے نبیوں کو قتل کرتا اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا ہے کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے پروں تلے اپنے بچوں کو جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں، مگر تو نے نہ چاہا۔ دیکھو تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑا جاتا ہے" عہد نامہ جدید۔ متّی باب 23، ایت 37 سے 38

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے" عہد نامہ جدید۔ متّی باب 24، ایت 2

یہ وہ عبارات تھی جس میں بنی اسرائیل کو تنبیہ کی گئی تھی۔ مگر اس قوم نے پھر بھی اللہ کی ایات کا انکار کیا انبیا کو ناحق قتل کیا تو پھر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا جو اللہ نے کیا تھا اور اس قوم پر اللہ نے مختلف قوموں کو مسلط کیا جس نے بہت زیادہ یہودیوں کو قتل کیا۔ جب انہوں نے پہلا فساد برپا کیا تو اللہ نے پھر ان کے ساتھ کیا کیا قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

"آخر کار جب ان میں سے پہلی سرکشی کا موقع پیش آیا تو اے بنی اسرائیل ہم نے تمہارے مقابلے پر اپنے ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زورآور تھے اور وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔ یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔" سورۃ بنی اسرائیل ایت نمبر 5

اس سے مراد وہ ہولناک تباہی ہے جو آشوریوں اور اہل بابل کے ہاتھوں بنی اسرائیل پر نازل ہوئی۔ اس کا تاریخی پس منظر سمجھنے کے لیے صرف وہ اقتباسات کافی نہیں ہیں جو اوپر صُحف انبیاء سے نقل کر چکے ہیں، بلکہ ایک مختصر تاریخی بیان بھی ضروری ہے تاکہ ایک طالب علم کے سامنے وہ تمام اسباب آجائیں جن کی وجہ سے اللہ تعالی نے ایک حامل کتاب قوم کو امامت اقوام کے منصب سے گرا کر ایک شکست خوردہ، غلام اور سخت پسماندہ قوم بنا کر رکھ دیا۔ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل

فلسطین میں داخل ہوئے تو یہاں مختلف قومیں آباد تھیں۔ حِتّی، اَموری، کنعانی، فرِزّی، حَوِی، یبوسی، فِلِستی وغیرہ ساری قوموں میں بدترین قسم کا شرک پایا جاتا تھا۔ ان کے سب سے بڑے معبود کا نام ایل تھا جسے یہ دیوتاؤں کا باپ کہتے تھے اور اسے عموماً سانڈے سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ اس کی بیوی کا نام عشیرہ تھا اور اس سے خداؤں اور خدانیوں کی ایک پوری نسل چلی تھی جن کی تعداد 70 تک پہنچتی تھی۔ اس کی اولاد میں سب سے زیادہ زبردست بعل تھا۔ جس کو بارش اور روئیدگی کا خدا اور زمین و آسمان کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ شمالی علاقوں میں اس کی بیوی اناث کہلاتی تھی اور فلسطین میں عستارات۔ یہ دونوں خواتین عشق اور افزائش نسل کی دیویاں تھیں۔ ان کے علاوہ کوئی دیوتا موت کا مالک تھا، کسی دیوی کے قبضے میں صحت تھی۔ کسی دیوتا کو وبا اور قحط لانے کے اختیارات تفویض کیے گئے تھے، اور یوں ساری خدائی بہت سے معبودوں میں بٹ گئی تھی۔ ان دیوتاؤں اور دیویوں کی طرف ایسے ایسے ذلیل اوصاف و اعمال منسوب تھے کہ اخلاقی حیثیت سے انتہائی بدکردار انسان بھی ان کے ساتھ مشتہر ہونا پسند نہ کریں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسی کمینہ ہستیوں کو خدا بنائیں اور ان کی پرستش کریں وہ اخلاق کی ذلیل ترین پستیوں میں گرنے سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے جو حالات آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے دریافت ہوئے ہیں وہ شدید اخلاقی گراوٹ کی شہادت بہم پہنچاتے ہیں۔ ان کے ہاں بچوں کی قربانی کا عام رواج تھا۔ ان کے معابد زناکاری کے اڈے بنے ہوئے تھے۔ عورتوں کو دیوداسیاں بنا کر عبادت گاہوں میں رکھنا اور ان سے بدکاریاں کرنا عبادت کے اجزاء میں داخل تھا۔ اور اسی طرح کی اور بہت سی بداخلاقیاں ان میں پھیلی ہوئی تھیں۔

تورات میں حضرت موسی علیہ السلام کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو جو ہدایات دی گئی تھیں ان میں صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ تم ان قوموں کو ہلاک کر کے ان کے قبضے سے فلسطین کی سرزمین چھین لینا اور ان کے ساتھ رہنے بسنے اور ان کی اخلاقی و اعتقادی خرابیوں میں مبتلا ہونے سے پرہیز کرنا۔

لیکن بنی اسرائیل جب فلسطین میں داخل ہوئے تو وہ اس ہدایت کو بھول گئے۔ انہوں نے اپنی کوئی متحدہ سلطنت قائم نہ کی۔ وہ قبائلی عصبیت میں مبتلا تھے۔ ان کے ہر قبیلے نے اس بات کو پسند کیا کہ مفتوح علاقے کا ایک حصہ لے کر الگ ہو جائے۔ اس تفرقے کی وجہ سے ان کا کوئی قبیلہ بھی اتنا طاقتور نہ ہو سکا کہ اپنے علاقے کو مشرکین سے پوری طرح پاک کر دیتا۔ آخر کار انہیں یہ گوارا کرنا پڑا کہ مشرکین ان کے ساتھ رہیں بسیں۔ نہ صرف یہ، بلکہ ان کے مفتوح علاقوں میں جگہ جگہ ان مشرک قوموں کی چھوٹی چھوٹی شہری ریاستیں بھی موجود رہیں جن کو بنی اسرائیل مسخر نہ کر سکے۔

اس کا پہلا خمیازہ تو بنی اسرائیل کو یہ بھگتنا پڑا کہ ان قوموں کے ذریعے سے ان کے اندر شرک گھس آیا اور اس کے ساتھ بتدریج دوسری اخلاقی گندگیاں بھی راہ پانے لگیں۔ چنانچہ اس کی شکایت بائیبل کی کتاب قُضاۃ میں یوں کی گئی ہے:

''اور بنی اسرائیل نے خداوند کے آگے بدی کی تعلیم کی پرستش کرنے لگے۔ اور انہوں نے خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کو جا کر انہیں ملک مصر سے نکال لایا تھا چھوڑ دیا اور دوسرے معبودوں کی جو ان کے گردا گرد کی قوموں کے دیوتاؤں میں سے تھے پیروی کرنے اور ان کو سجدہ کرنے لگے اور خداوند کو غصہ دلایا۔ وہ خداوند کو چھوڑ کر بعل اور عستارات کی پرستش کرنے لگے اور خداوند کا قہر اسرائیل پر بھڑکا۔"(عہد نامہ قدیم، قضاء، باب 2۔ آیت 11 سے 13)

اس کے بعد دوسرا خمیازہ انہیں یہ بھگتنا پڑا کہ جن قوموں کی شہری ریاستیں انہوں نے چھوڑ دی تھیں انہوں نے اور فلستیوں نے، جن کا پورا علاقہ غیر مغلوب رہ گیا تھا، بنی اسرائیل کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا اور پے در پے حملے کر کے فلسطین کے بڑے حصے سے ان کو بے دخل کر دیا، حتٰی کہ ان سے خداوند کے عہد کا صندوق (تابوت سکینہ) تک چھین لیا۔ آخر کار بنی اسرائیل کو ایک فرمانروا کے تحت اپنی ایک متحدہ سلطنت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اور ان کی درخواست پر حضرت سموئیل نبی نے سن 1020 قبل مسیح میں طالوت کو ان کا بادشاہ بنایا۔ (اس کی تفصیل ، تفہیم القرآن، جلد اول، سورہ بقرہ رکوع 32 میں موجود ہے)۔

اس متحدہ سلطنت کے تین فرمانروا ہوئے۔ طالوت (سن 1020 تا 1004 ق م) ، حضرت داؤد علیہ السلام (سن 1004 تا 865 ق م) اور حضرت سلیمان علیہ السلام (سب 965 تا 926 ق م) ۔ ان فرمانرواؤں نے اس کام کو مکمل کیا جسے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نامکمل چھوڑ دیا تھا۔ صرف شمالی ساحل پر فنیقیوں کی اور جنوبی ساحل پر فلستیوں کی ریاستیں باقی رہ گئیں جنہیں مسخر نہ کیا جا سکا اور محض باج گزار بنانے پر اکتفا کیا گیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر دنیا پرستی کا پھر شدید غلبہ ہوا اور انہوں نے آپس میں لڑ کر اپنی دو الگ سلطنتیں قائم کر لیں۔ شمالی فلسطین اور شرق اردن میں سلطنت اسرائیل، جس کا پایہ تخت آخر کار سامریہ قرار پایا۔ اور جنوبی فلسطین اور ادوم کے علاقے میں سلطنت یہود یہ جس کا پایہ تخت یروشلم رہا۔ ان دونوں سلطنتوں میں سخت رقابت اور کشمکش اول روز سے شروع ہو گئی اور آخر تک رہی۔

ان میں اسرائیل ریاست کے فرمانرواااور باشندے ہمسایہ قوموں کے مشرکانہ عقائد اور اخلاقی فساد سے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ متاثر ہوئے اور یہ حالت اپنی انتہا کو پہنچ گئی جب اس ریاست کے فرمانروااخی اب نے صیدا کی مشرک شہزادی ایزبل سے شادی کرلی۔ اس وقت حکومت کی طاقت اور ذرائع سے شرک اور بداخلاقیاں سیلاب کی طرح اسرائیلیوں میں پھیلنی شروع ہوئیں۔ حضرت الیاسؑ اور حضرت الیَسعؑ نے اس سیلاب کو روکنے کی انتہائی کوشش کی۔ مگر یہ قوم جس تنزل کی طرف جارہی تھی اس سے باز نہ آئی۔ آخرکار اللہ کا غضب اشوریوں کی شکل میں دولت اسرائیل کی طرف متوجہ ہوااور نویں صدی قبل مسیح سے فلسطین پر اشوری فاتحین کے مسلسل حملے شروع ہوگئے۔ اس دور میں عاموس نبی (سن 787 747 قبل مسیح) اور پھر ہوسیع نبی (سن 747 تا735 قبل مسیح) نے اٹھ کر اسرائیلیوں کو پے درپے تنبیہات کیں، مگر جس غفلت کے نشے میں وہ سرشار تھے وہ تنبیہ کی ترشی سے اور زیادہ تیز ہوگیا۔ یہاں تک کہ عاموس نبی کو شاہ اسرائیل نے ملک سے نکل جانے اور دولت سامریہ کے حدود میں اپنی نبوت بند کردینے کا نوٹس دے دیا۔ اس کے بعد کچھ زیادہ مدّت نہ گزری تھی کہ اللہ کا عذاب اسرائیلی سلطنت اور اس کے باشندوں پر ٹوٹ پڑا۔ ہزارہا اسرائیلی تہ تیغ کیے گیے، 27 ہزار سے زیادہ بااثر اسرائیلیوں کو ملک سے نکال کر اشوری سلطنت کے مشرقی اضلاع میں تتر بتر کردیا گیا، اور دوسرے علاقوں سے لاکر غیر قوموں کو اسرائیل کے علاقے میں بسایا گیا جن کے درمیان رہ بس کر بچا کھچا اسرائیلی عنصر بھی اپنی قومی تہذیب سے روز بروز زیادہ بیگانہ ہوتا چلا گیا۔

بنی اسرائیل کی دوسری ریاست جو یہودیہ کے نام سے جنوبی فلسطین میں قائم ہوئی، وہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بہت جلدی شرک اور بداخلاقی میں مبتلا ہوگئی، مگر نسبتہً اس کا اعتقادی اور اخلاقی زوال دولت اسرائیل کی بہ نسبت سست رفتار تھا، اس لیے اس کو مہلت بھی کچھ زیادہ دی گئی۔ اگرچہ دولتِ اسرائیل کی طرح اس پر بھی اشوریوں نے پے درپے حملے کیے، اس کے شہروں کو تباہ کیا، اس کے پایہ تخت کا محاصرہ کیا، لیکن یہ ریاست اشوریوں کے ہاتھوں ختم نہ ہوسکی بلکہ صرف باج گزار بن کر رہ گئی۔ پھر جب حضرت یسعیاہ اور حضرت یرمیاہ کی مسلسل کوششوں کے باوجود یہودیہ کہ لوگ بُت پرستی اور بداخلاقیوں سے باز نہ آئے تو سن 598 قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یروشلم سمیت پوری دولت یہودیہ کو مسخر کرلیا اور یہودیہ کا بادشاہ اس کے پاس قیدی بن کر رہا۔ یہودیوں کی بداعمالیوں کا سلسلہ اس پر بھی ختم نہ ہوا اور حضرت یرمیاہ کے سمجھانے کے باوجود وہ اپنے اعمال درست کرنے کے بجائے بابل کے خلاف بغاوت کرکے اپنی قسمت بدلنے کی کوشش کرنے لگے۔ آخر سن 587 قبل مسیح میں بخت نصر نے ایک سخت حملہ کرکے یہودیہ کے تمام بڑے چھوٹے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح پیوند

خاک کیا کہ اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ کھڑی نہ رہی، یہودیوں کی بہت بڑی تعداد کو ان کے علاقے سے نکال کر ملک ملک میں تتر بتر کر دیا اور جو یہودی اپنے علاقے میں رہ گئے وہ بھی ہمسایہ قوموں کے ہاتھوں بری طرح ذلیل اور پامال ہو کر رہے۔ یہ تھا وہ پہلا فساد جس سے بنی اسرائیل کو متنبہ کیا گیا تھا، اور یہ تھی وہ پہلی سزا جو اس کی پاداش میں ان کو دی گئی۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کو اللہ تعالی کی طرف سے مہلت مل گئی۔ بنی اسرائیل کو اپنے وطن واپس آنے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی اجازت مل گئی۔ اس بارے میں اللہ تعالی قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ :

"اس کے بعد ہم نے تمہیں ان پر غلبے کا موقع دیا اور تمہیں مال اور اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھا دی" سورۃ بنی اسرائیل ایت نمبر 6

یہ اشارہ ہے اس مہلت کی طرف ہے جو یہودیوں (یعنی اہل یہودیہ) کو بابل کی اسیری سے رہائی کے بعد عطا کی گئی۔ جہاں تک سامریہ اور اسرئیل کے لوگوں کا تعلق ہے، وہ تو اخلاقی و اعتقادی زوال کی پستیوں میں گرنے کے بعد پھر نہ اٹھے، مگر یہودیہ کے باشندوں میں ایک گروہ ایسا موجود تھا جو خیر پر قائم اور خیر کی دعوت دینے والا تھا۔ اس نے ان لوگوں میں بھی اصلاح کا کام جاری رکھا جو یہودیہ میں بچے کھچے رہ گئے تھے، اور ان لوگوں کو بھی توبہ و انابت کی ترغیب دی جو بابل اور دوسرے علاقوں میں جلاوطن کر دیے گئے تھے۔ آخر کار رحمت الہی ان کی مددگار ہوئی۔ بابل کی سلطنت کو زوال ہوا۔ سن 539 قبل مسیح میں ایرانی فاتح سائرس (خورس یا خسرو) نے بابل کو فتح کیا اور اس کے دوسرے ہی سال اس نے فرمان جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل کو اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی عام اجازت ہے۔ چنانچہ اس کے بعد یہودیوں کے قافلے پر قافلے یہودیہ کی طرف جانے شروع ہو گئے جن کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ سائرس نے یہودیوں کی ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کی اجازت بھی دی، مگر ایک عرصے تک ہمسایہ قومیں جو اس علاقے میں آباد ہو گئی تھیں، مزاحمت کرتی رہیں۔ آخر داریوس (دارا) اول نے سن 522 ق م یہودیہ کے آخری بادشاہ کے پوتے زرو بابل کو یہودیہ کا گورنر مقرر کیا اور اس نے حجّی نبی، زکریا نبی اور سردار کاہن یشوع کی نگرانی میں ہیکل مقدس نئے سرے سے تعمیر کیا۔ پھر سن 457 ق م میں ایک جلاوطن گروہ کے ساتھ حضرت عزیرؑ (عزرا) یہودیہ پہنچے اور شاہ ایران ارتخششتا (ارٹاکسرسز یا اردشیر) نے ایک فرمان کی رو سے ان کو مجاز کیا کہ :

" تو اپنے خدا کی اس دانش کے مطابق جو تجھ کو عنایت ہوئی، حاکموں اور قاضیوں کو مقرر کر تا کہ دریا پار کے سب لوگوں کا جو تیرے خدا کی شریعت کو جانتے ہیں انصاف کریں، اور تم اس کو جو نہ جانتا ہو سکھاؤ، اور جو کوئی تیرے خدا کی شریعت پر اور بادشاہ کے فرمان پر عمل نہ کرے اس کو بلا توقف قانونی سزا دی جائے، خواہ موت ہو، یا جلاوطنی، یا مال کی ضبطی، یا قید"۔ (عہد نامہ قدیم، عزرا۔ باب 8۔ آیت 25۔26)

اس فرمان سے فائدہ اٹھا کر حضرت عزیرؑ نے دینِ موسوی کی تجدید کا بہت بڑا کام انجام دیا۔ انہوں نے یہودی قوم کے تمام اہلِ خیر و صلاح کو ہر طرف سے جمع کر کے ایک مضبوط نظام قائم کیا۔ بائبل کی کتب خمسہ کو، جن میں توراۃ تھی، مرتب کر کے شائع کیا، یہودیوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا، قوانین شریعت کو نافذ کر کے ان اعتقادی اور اخلاقی برائیوں کو دور کرنا شروع کیا جو بنی اسرائیل کے اندر غیر قوموں کے اثر سے گھس آئی تھیں، ان تمام مشرک عورتوں کو طلاق دلوائی جن سے یہودیوں نے بیاہ کر رکھے تھے، اور بنی اسرائیل سے از سرِ نو خدا کی بندگی اور اس کے آئین کی پیروی کا میثاق لیا۔

سن 445 ق م میں نحمیاہ کے زیر قیادت ایک اور جلاوطن گروہ یہودیہ واپس آیا اور شاہ ایران نے نحمیاہ کو یروشلم کا حاکم مقرر کر کے اس امر کی اجازت دی کہ وہ اس کی شہر پناہ تعمیر کرے۔ اس طرح ڈیڑھ سو سال بعد بیت المقدس پھر سے آباد ہوا اور یہودی مذہب و تہذیب کا مرکز بن گیا۔ مگر شمالی فلسطین اور سامریہ کے اسرائیلیوں نے حضرت عزیر کی اصلاح و تجدید سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا، بلکہ بیت المقدس کے مقابلہ میں اپنا ایک مذہبی مرکز کوہ جرزیم پر تعمیر کر کے اس کو قبلہ اہل کتاب بنانے کی کوشش کی۔ اس طرح یہودیوں اور سامریوں کے درمیان بُعد اور زیادہ بڑھ گیا۔

ایرانی سلطنت کے زوال اور سکندر اعظم کی فتوحات اور پھر یونانیوں کے عروج سے یہودیوں کو کچھ مدت کے لیے ایک سخت دھکا لگا۔ سکندر کی وفات کے بعد اس کی سلطنت جن تین سلطنتوں میں تقسیم ہوئی تھی، ان میں سے شام کا علاقہ اس سلوقی سلطنت کے حصے میں آیا جس کا پایہ تخت انطاکیہ تھا اور اس کے فرمانروا انٹیوکس ثالث نے سن 198 ق م میں فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ یہ یونانی فاتح، جو مذہباً مشرک، اور اخلاقاً اباحیت پسند تھے، یہودی مذہب و تہذیب کو سخت ناگوار محسوس کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے مقابلے میں سیاسی اور معاشی دباؤ سے یونانی تہذیب کو فروغ دینا شروع کیا اور خود یہودیوں میں سے ایک اچھا خاصا عنصر ان کا آلہ کار بن گیا۔ اس خارجی مداخلت نے یہودی قوم میں تفرقہ ڈال دیا۔ ایک گروہ نے یونانی لباس، یونانی زبان، یونانی طرزِ معاشرت اور یونانی کھیلوں کو اپنا لیا اور دوسرا گروہ اپنی تہذیب پر سختی کے ساتھ قائم رہا۔ سن 157 ق م میں انٹیوکس چہارم (جس کا اپی فائنیس

یعنی مظہر خدا) تھا، جب تخت نشین ہوا تواس نے پوری جابرانہ طاقت سے کام لے کر یہودی مذہب و تہذیب کی بیخ کنی کرنی چاہی۔ اس نے بیت المقدس کے ہیکل میں زبردستی بت رکھوائے اور یہودیوں کو مجبور کیا کہ ان کو سجدہ کریں۔اس نے قربان گاہ پر قربانی بند کرائی۔اس نے یہودیوں کو مشرکانہ قربان گاہوں پر قربانیاں کرنے کا حکم دیا۔اس نے ان سب لوگوں کے لیے سزائے موت تجویز کی جو اپنے گھروں میں توراۃ کا نسخہ رکھیں، یا سبت کے احکام پر عمل کریں، یا اپنے بچوں کے ختنے کرائیں۔لیکن یہودی اس جبر سے مغلوب نہ ہوئے اور ان کے اندر ایک زبردست تحریک اٹھی جو تاریخ میں مکابی بغاوت کے نام سے مشہور ہے۔اگرچہ اس کشمکش میں یونانیت زدہ یہودیوں کی ساری ہمدردیاں یونانیوں کے ساتھ تھیں، اور انہوں نے عملا مکابی بغاوت کو کچلنے میں انطاکیہ کے ظالموں کا پورا ساتھ دیا، لیکن عام یہودیوں میں حضرت عزیرؑ کی پھونکی ہوئی روح دینداری کا اتنا زبردست اثر تھا کہ وہ سب مکابیوں کے ساتھ ہو گئے اور آخر کار انہوں نے یونانیوں کو نکال کر اپنی ایک آزاد دینی ریاست قائم کر لی جو سن 67ق م تک قائم رہی۔اس ریاست کے حدود پھیل کر رفتہ رفتہ اس پورے رقبے پر حاوی ہو گئے جو کبھی یہودیہ اور اسرائیل کی ریاستوں کے زیر نگین تھے، بلکہ فِلِستیہ کا بھی ایک بڑا حصہ اس کے قبضے میں آگیا جو حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے زمانے میں بھی مسخر نہ ہوا تھا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد بنی اسرائیل ایک پھر دنیاپرستی کی طرف لوٹ آئے یعنی اسی دوسری فساد کی طرف سفر شروع کیا ۔اللہ تعالی نے اس دوسری فساد کی پاداش میں بنی اسرائیل کے ساتھ جو کیا اس کی طرف اسی سورۃ کے اگلے ایت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہے کہ :

"پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے اسے تباہ کر کے رکھ دیا" سورۃ بنی اسرائیل ایت نمبر 7

مکابیوں کی تحریک جس اخلاقی و دینی روح کے ساتھ اٹھی تھی وہ بتدریج فنا ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ خالص دنیا پرستی اور بے روح ظاہرداری نے لے لی۔آخر کار ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور انہوں نے خود رومی فاتح پومپی کو فلسطین آنے کی دعوت دی۔چنانچہ پومپی سن 63ق م میں اس ملک کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔لیکن رومی فاتحین کی یہ مستقل پالیسی تھی کہ وہ مفتوح علاقوں پر براہ راست اپنا نظم و نسق قائم کرنے کی بہ نسبت مقامی حکمرانوں کے ذریعے سے بالواسطہ اپنا کام نکلوانا زیادہ پسند کرتے تھے۔اس لیے انہوں نے فلسطین میں اپنے زیر سایہ ایک دیسی

ریاست قائم کر دی جو بالآخر سن 40ق م میں ایک ہوشیار یہودی ہیرو دنامی کے قبضے میں آئی۔ یہ ہیرو دا عظم کے نام سے مشہور ہے ۔اس کی فرماں روائی پورے فلسطین اور شرق اردن پر سن 40سے 4 قبل مسیح تک رہی۔اس نے ایک طرف مذہبی پیشواؤں کی سر پرستی کر کے یہودیوں کو خوش رکھا،اور دوسری طرف رومی تہذیب کو فروغ دے کراور رومی سلطنت کی وفاداری کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کر کے قیصر کی بھی خوشنودی حاصل کی۔اس زمانے میں یہودیوں کی دینی واخلاقی حالت گرتے گرتے زوال کی آخری حد کو پہنچ چکی تھی۔

ہیرود کے بعد اس کی ریاست تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔اس کا ایک بیٹا ارخلاؤس سامریہ یہودیہ اور شمالی ادومیہ کا فرماں رواہوا، مگر سن 6 عیسوی میں قیصر آگسٹس نے اس کو معزول کر کے اس کی پوری ریاست اپنے گورنر کے ماتحت کرید اور 41 عیسوی تک یہی انتظام قائم رہا۔یہی زمانہ تھا جب حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے اٹھے اور یہودیوں کے تمام مذہبی پیشواؤں نے ملکران کی مخالفت کی اور رومی گورنر پونتس پیلاطس سے ان کو سزائے موت دلوانے کی کوشش کی۔

ہیرود کادوسرابیٹاہیرودانیٹی پاس شمالی فلسطین کے علاقہ گلیل اور شرق اردن کا مالک ہوااور یہ وہ شخص ہے جس نے ایک رقاصہ کی فرمائش پر حضرت یحیی علیہ السلام کا سر قلم کر کے اس کی نذر کیا۔

اس کا تیسرابیٹا فلپ، کوہ حرمون سے دریائے یرموک تک کے علاقے کا مالک ہوااور یہ اپنے باپ اور بھائیوں سے بھی بڑھ کر رومی ویونانی تہذیب میں غرق تھا۔اس کے علاقے میں کسی کلمہ خیر کے پنپنے کی اتنی گنجائش بھی نہ تھی جتنی فلسطین کے دوسرے علاقوں میں تھی۔

سن 41 میں ہیرودا عظم کے پوتے ہیرودا گرپا کو رومیوں نے ان تمام علاقوں کا فرمانروا بنادیا جن پر ہیرودا عظم اپنے زمانے میں حکمران تھا۔اس شخص نے بر سر اقتدار آنے کے بعد مسیح علیہ السلام کے پیروؤں پر مظالم کی انتہاء کر دی اور اپنا پورا زور خدا ترسی واصلاح واخلاق کی اس تحریک کو کچلنے میں صرف کر ڈالا جو حواریوں کی رہنمائی میں چل رہی تھی۔

اس دور میں عام یہودیوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی جو حالت تھی اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے ان تنقیدوں کا مطالعہ کرناچاہیے جو مسیح علیہ السلام نے اپنے خطبوں میں ان پر کی ہیں۔یہ سب خطبے اناجیل اربعہ میں موجود ہیں۔پھر اس کا اندازہ کر نے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ اس قوم کی آنکھوں کے سامنے یحییٰ علیہ السلام جیسے پاکیزہ انسان کا سر قلم کیا گیا مگر ایک آواز بھی اس

ظلم عظیم کے خلاف نہ اٹھی۔اور پوری قوم کے مذہبی پیشواؤں نے مسیح علیہ السلام کے لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا مگر تھوڑے سے راستباز انسانوں کے سوا کوئی نہ تھا جو اس بد بختی پر ماتم کرتا۔ حد یہ ہے کہ جب پونتس پیلاطس نے ان شامت زدہ لوگوں سے پوچھا کہ آج تمہاری عید کا دن ہے اور قاعدے کے مطابق میں سزائے موت کے مستحق مجرموں میں سے ایک کو چھوڑ دینے کا مجاز ہوں، بتاؤ یسوع کو چھوڑوں یا براباؔ ڈاکو کو؟ تو ان کے پورے مجمع نے بیک آواز ہو کر کہا کہ براباؔ کو چھوڑ دے۔ یہ گویا اللہ تعالی کی طرف سے آخری حجت تھی جو اس قوم پر قائم کی گئی۔

اس پر تھوڑا زمانہ ہی گزرا تھا کہ یہودیوں اور رومیوں کے درمیان سخت کشمکش شروع ہو گئی اور 64 اور 66عیسوی کے درمیان یہودیوں نے کھلی بغاوت کر دی۔ ہیرودا اگرپا ثانی اور رومی پروکیوریٹر فلورس، دونوں اس بغاوت کو فرد کرنے میں ناکام ہوئے۔ آخر کار رومی سلطنت نے ایک سخت فوجی کارروائی سے اس بغاوت کو کچل ڈالا اور 70 میں ٹیٹس نے بزور شمشیر یروشلم کو فتح کر لیا۔اس موقع پر قتل عام میں ایک لاکھ 33 ہزار آدمی مارے گئے، 67ہزار آدمی گرفتار کر کے غلام بنائے گئے ہزارہا آدمی پکڑ پکڑ کر مصری کانوں میں کام کرنے کے لیے بھیج دیے گئے، ہزاروں آدمیوں کو پکڑ کر مختلف شہروں میں بھیجا گیا تاکہ ایمفی تھیٹروں اور جنگلی جانوروں سے پھڑوانے یا شمشیر زنوں کے کھیل کا تختہ مشق بننے کے لیے استعمال کیا جائے۔ تمام دراز قامت اور حسین لڑکیاں فاتحین کے لیے چن لی گئیں، اور یروشلم کے شہر اور ہیکل کو مسمار کر کے پیوند خاک کر دیا گیا۔اس کے بعد فلسطین سے یہودی اثر واقتدار ایسا مٹا کہ دو ہزار برس تک اس کو پھر سر اٹھانے کا موقع نہ ملا، اور یروشلم کا ہیکل مقدس پھر کبھی تعمیر نہ ہو سکا۔ بعد میں قیصر ہیڈریان نے اس شہر کو دوبارہ آباد کیا، مگر اب اس کا نام ایلیا تھا اور اس میں مدت ہائے دراز تک یہودیوں کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔

70 عیسوی کے بعد نہ ہیکل سلیمانی تعمیر ہوا آج تک اور 1917 تک نہ کوئی یہودی وہاں پر آباد ہو سکھا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت تک کوئی بھی یہودی فلسطین میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر جب حضرت عمرؓ نے فلسطین فتح کیا تو اس کے بعد ان کو صرف یہ اجازت مل گی کہ آسکتے ہے مگر رہنے کے حیثیت سے نہیں بلکہ زائرین کی حیثیت سے یہ شرط بھی عیسائیوں کی تھی جب حضرت عمرؓ سے معاہدہ کر رہے تھے۔یہی رویہ سلطنت عثمانیہ کا آخری وقت تک رہا یہودیوں کے ساتھ۔ تقریباً انیس سو سال تک ان کا نہ تو کوئی ملک اور نہ کوئی پہچان دنیا میں تھی۔اللہ نے ان کو ایسا ذلیل کیا کے کئی صدیوں تک یہ کچھ نہ کر سکے اور ہر طرف سے اللہ کے عذاب کا کوڑا برستا رہا۔ وجوہات کیا تھی جس کی وجہ سے اس قوم کو یہ سزا ملی: اللہ کے کتابوں کو پیٹ پیچھے ڈال دیا، پیغمروں پر ظلم اور ان کا قتل

،اخلاق کے نچلے درجے تک چلے گئے ،اللہ کی کتاب میں تحریف کی اپنی خواہش کے مطابق ،اللہ کی آیات کو دنیا کے عوض بیچ ڈالا،شرک جیسے عظیم گناہ میں مبتلا ہو گئے،اللہ کے کچھ احکامات مانتے اور کچھ کا انکار کرتے اور سب سے بڑھ کر امامت کی جو ذمہ داری دی گئی تھی وہ پوری نہیں کی۔

یہ تھی وہ تفصیل،اس تفصیل کو بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی امت جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں پر فضیلت دی تھی،اس کا زوال کیوں اور کیسے ہوا۔اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ وہ کیا اسباب تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک حامل کتاب قوم کو امامت کے منصب سے گرا کر ایک شکست خوردہ، غلام، سخت پسماندہ قوم بنا کر رکھ دیا۔

امت مسلمہ

اب آتے ہے امت مسلمہ کی جانب اللہ تعالیٰ نے امت محمدیّہ کو وہی ذمہ داری دی جو بنی اسرائیل کو دی تھی۔ یہ ذمہ داری حضور ﷺ کے ذریعے سے اللہ نے ہمیں عطاء کی ہے۔ وہ ذمہ داری کیا تھی۔ "اللہ کے احکامات اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو اپنے پانچ سے چھ فٹ کے بدن پر عملی طور پر نافظ کرے اور اسکے ساتھ ساتھ قرآن اور سنت کو اپنے زندگی کی ہر معاملے میں خواہ وہ اخلاقیات ہو، خواہ ہمارے گھر کے معاملات ہو، خواہ وہ ہمارا خاندان ہو، خواہ وہ سیاست ہو، خواہ وہ معاشرت ہو، خواہ وہ ریاست ہو، خواہ وہ حکومت ہو، خواہ وہ معاشیات ہو، خواہ وہ اقتصادیات ہو، خواہ وہ وعدالت ہو، خواہ وہ قانون ہو، خواہ وہ ائین ہو، خواہ وہ تعلیمی نظام ہو اور خواہ وہ کوئی بھی ادارہ ہو سب میں عملی طور پر نافظ کرنے کی کوشش کرنا"۔ حضرت محمد ﷺ نے عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے اس نظام کو قائم کیا اس ذمہ داری کا حق پوری طرح ادا کیا۔ ہم تک اللہ کا پیغام قول اور عمل دونوں طریقوں سے پہنچایا اور اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم یہ دوسروں تک پہنچائے عمل اور قول دونوں طریقوں سے۔ اس ذمہ داری کے حوالے اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہے کہ

"اور اسی طرح تو میں نے تمہیں امت وسط بنایا تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔" سورۃ البقرہ ایت نمبر 143

یہ عین اس امت کا مقصد وجود ہے جسے اگر آپ نے پورا نہ کیا تو گویا اپنی زندگی اکارت گنوادی۔ یہ آپ پر خدا کا عائد کردہ فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہے کہ :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو ! اللہ تعالیٰ کی خاطر اٹھنے والے اور ٹھیک راستی کے گواہی دینے والے بنو" سورۃ المائدہ ایت نمبر 8

اس ایت میں نرا حکم نہیں ہے۔ بلکہ تاکیدی حکم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

"اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جسکے پاس اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔" سورۃ البقرہ ایت نمبر 140

اسی طرح سورۃ ال عمران میں ارشاد فرماتے ہے کہ

"اب دنیا میں بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔اسلئے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہواور بدی سے روکتے ہواور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"سورۃ ال عمران ایت نمبر 110

ان ایات میں یہ بتایا جارہاہے کہ دنیا کی امامت ور ہنمائی کے جس منصب سے بنی اسرائیل اپنی نااہلی کے باعث معزول کیے جاچکے ہیں۔اس پر اب تم مامور کیے گئے ہو۔اس لئے کے اعمال اور اخلاد کے لحاظ سے اب تم دنیا میں سب سے بہتر انسانی گروہ بن گئے ہو اور تم میں وہ صفات پیدا ہوگئی ہیں جو امامت عادلہ کے لئے ضروری ہیں،یعنی نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ وعمل اور اللہ وحدہ لاشریک کو اعتقاداً وعملاً اپنا الٰہ اور رب تسلیم کرنا۔لہذا اب یہ کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے اور تمہیں لازم ہے کی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور اسے پورا کرنے کی کوشش کرو۔اور اگر اس ذمہ داری کو پورا نہ کیا جس طرح پچھلی امت نے کوتاہی کی تھی۔تو پھر اللہ تعالی نے یہ بھی بتادیا کہ اس فرض کو انجام نہ دینے کا نتیجہ کیا ہے۔ہم سے پہلے اس گواہ کے کٹہرے میں یہودیوں کھڑے کیے گئے تھے مگر انہوں نے حق کو چھپایا اور حق کے خلاف گواہی دی قول اور عمل دونوں کے ذریعے الٹا وہ باطل کے بھی گواہ بن گئے۔نتیجہ کیا نکلا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

"ذلت وخواری پستی وبدحالی ان پر مسلط ہوگئی اور وہ اللہ کے عذاب میں آگئے"سورۃ البقرہ ایت نمبر ٦١

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے بھی خبردار کردیا تھا کہ اگر تم لوگ نیکی کی طرف نہیں بلاوگے تو تمہارے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم معروف (بھلائی) کا حکم دو اور منکر (برائی) سے روکو،ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالی تم پر اپنا عذاب بھیج دے۔پھر تم اللہ سے دعا کروگے اور تمہاری دعا قبول نہ کی جائے گی" جامع الترمذی 2169

اب آپ تاریخ اُٹھا کر دیکھ لے پہلے نصف صدی ہجری کے بعد پھر وہ نظام اس دنیا پر آج تک قائم نہ ہو سکا۔ کیونکہ ہم اپنی ذمہ داری بھول گئے۔ خلافت بادشاہت میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے بعد پھر خلافت کا قیام عمل میں نہیں لایا گیا۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ مسلمانوں پر بھی اسی طرح زوال آیا جس طرح بنی اسرائیل پر آیا تھا۔

امت مسلمہ کا عروج اور زوال:

تاریخ اُٹھا کر دیکھ لے امت مسلمہ پر بھی اللہ تعالیٰ نے دوبار اپنے عذاب کا کوڑا برسایا ہے۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ظالم لوگوں کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ دوبار اللہ نے پوری دنیا پر حکومت کرنے کا موقع بھی دیا۔ ایک بار عربوں کے زریعے اور دوسری بار عجمیوں کے زریعے اور اسی طرح عذاب بھی ایک بار عرب پر اور ایک بار عجم پر۔ سب سے پہلے مسلمانوں کی عروج کے بارے میں جانتے ہے اور پھر زوال کے بارے میں جاننے گے۔

امت مسلمہ کا عروج:

حضورﷺ 571 عیسوی میں اس دنیامیں تشریف لائے اور 40 سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپﷺ کو نبوت دی۔ اس کے بعد 23 سال کے عرصے میں ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور اللہ نے آپﷺ کے ذریعے سے اس دور میں اسلام کی تکمیل کی۔ حضورﷺ کے وفات تک پورے عرب پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ آج کے دور کے حساب سے سعودی عرب، کویت، دبئ، یمن، قطرااور اُمان شامل ہے۔ پھر اس کے بعد پہلا خلیفہ حضرت ابو بکرؓ بنتے ہے۔ آپؓ کی خلافت کی مدت 632 عیسوی سے 634 عیسوی تک ہے۔ اس مختصر سی دور میں آپؓ نے اردن اور عراق کا کچھ حصہ خلافت میں شامل ہو۔ پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت شروع ہوئی جس کی مدت 634 سے لے کر 644 عیسوی تک ہے۔ آپؓ کے دور خلافت میں شام، لبنان، فلسطین، مصر، لیبیا، عراق کا باقی حصہ، ایران، افغانستان، ترکمنستان، اور ازبکستان کا کچھ حصہ تقریباً یہ سب علاقے فتح ہوئے۔ اور اسلام ایشیااور اس کے ساتھ ساتھ افریقہ تک پھیل گیا۔ حضرت عمرؓ کا دور اسلام کا بہترین دور تھا۔ اس کے بعد کچھ فتنے اور اختلافات ائے۔ حضرت عثمانؓ کا دور خلافت اس کے بعد شروع ہوا جس میں ترکی کا مشرقی علاقہ، جورجیہ اور آزربائی جان فتح ہوئے۔ آپؓ کا دور خلافت 644 سے شروع ہو کر 656 عیسوی کو ختم ہوا۔ آپؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہوئی جو 656 سے 661 عیسوی کو اختتام پزیر ہوئی۔ اس دور میں مسلمانوں کے اندر بہت اختلافات آئے جس کے نتیجہ میں جنگ جمل، جنگ صفین لڑی گئی۔ اسی کے ساتھ خلافت راشدہ اختتام کو پہنچا۔

661عیسوی سے بنواُمیہ کی خلافت کاآغاز ہوا جو تقریباً750عیسوی تک یہ قائم رہی۔ تقریباًبنواُمیہ کی 89 عیسوی سال حکومت رہی ۔اس خلافت کا پہلا حکمران امیر معاویہؓ(اول) تھا۔اس دور میں اسلام یورپ میں داخل ہو جب سپین کو فتح کیا گیا۔ایشیامیں مذید فتوحات حاصل کی جس میں پاکستان کے صوبہ بلوچستان، سندھ اور خیبر پختون خواہ مغربی حصہ ،اس کے ساتھ ساتھ تاجکستان، کر غزستان اور قازقستان کا کچھ علاقہ ۔افریقہ میں مراقوتک کی پوری پٹڑی فتح ہوا اور اسی کے زریعے سے پھر سپین میں داخل ہوئے ۔دین اسلام کے حوالے سے کافی اوپر نیچے ادوار آئے ۔ابتدامیں کافی جائیدادیں شاہی خاندان کو دی گئی ۔لیکن پھر جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جسے عمر ثانی بھی کہا جاتاہے انہوں نے دوبارہ دین کی تجدید کی ۔لیکن دو سال کے بعد 720عیسوی کو زہر دے کر شہید کر دیا۔اس خلافت کاآخری حکمران مروان(دوم)ابن محمد تھا۔ جس کی حکمرانی 744سے لے کر 750تک رہی اور پھر ان کو قتل کر دیااور اس کے ساتھ ساتھ بنوامیہ کے پورے خاندان کو بھی قتل کر دیا گیا۔اس خلافت کے زوال کے اسباب کچھ یوں تھے کہ انہوں نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کی، قبائلی اور نسلی عصبیتوں کا ظہور، خوارج،ایرانیوں کی عرب دشمنی،اخلاقی زوال، حکمران طبقے کی نااہلی وغیرہ۔

اس کے بعد عباسی خلافت کاآغاز ہوا جو 750سے لے کر 1258عیسوی تک قائم رہی۔ان کا پہلا حکمران ابوالعباس تھا ۔اس نے بہت ذیادہ قتل عام کیا تھا۔ جس کے بعد یہ سفاح کے نام سے مشہور ہوا۔اس خلافت میں کل 34 حکمران تھے ۔آخری حکمران مستعصم باللہ تھے ۔اس دور خلافت میں تین بار دارلخلافہ تبدیل ہوا۔پہلے بغداد پھر سامرہ یہ بھی عراق کا شہر تھا پھر دوبارہ بغداد اور پھر قائرہ جو مصر کا شہر ہے ۔بنواُمیہ کا تختہ الٹنے کے لئے عباسی نے ایرانیوں کا ساتھ دیا۔ خراسان سے بنواُمیہ کی حکومت کا خاتمہ ابومسلم خراسان نے کیا جنہوں نے عباسی کا ساتھ دیا تھا۔ابو جعفر المنصور جو عباسی خلافت کا دوسرا حکمران تھا۔اس نے ابو مسلم خراسان کو قتل کر دیا۔عباسی خلافت میں زراعت، فیکٹریز اور بیماریوں کے علاج میں بہتری لائی گئی ۔جب ہارون الرشید حکمران بنا تو انہوں نے داخلی حالات پر توجہ دی اور بڑی بڑی مسجدیں بنوائی ۔انہوں نے راستے بنائے اور ان کے دور میں سائنس کی شروعات ہوئی ۔ان کے دور میں یونان سے سائنسی ترقی شروع ہوئی اور سپین کے ذریعے سے یورپ میں چلی گئی ۔بہت سے کتابوں کے ترجمے ہوئے ۔۸٦۲ سے لے کر ۱۰۵۵تک فتنوں کا دور تھا۔ جس میں عباسی حکومت کمزور ہوئی ۔اسی خلافت میں بہت سے علماء کرام کو شہید کیا گیا۔۔پھر آخری حکمران مستعصم باللہ جو 1242سے 1258تک حکمران رہا۔اس کے دور میں ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ

کیااور تمام لوگو کو قتل کر دیااور عباسی خاندان مصر چلے گئے اور وہاں انہوں نے حکومت قائم کی۔اور مملوک سلطنت کے نام سے مشہور ہوئے جو بعد میں عثمانی سلطنت نے حملہ کر کے 1517 میں فتح کر لیا تھا۔

اس کے بعد اللہ نے دنیا کی امامت عربیوں سے لے کر عجمیوں کو منتقل کر دی۔ جس کے نتیجے میں ترکوں نے تقریباً بیسویں صدی عیسوی تک دنیا کے مختلف ملکوں پر حکومت کی۔

عباسی خلافت کا زوال جب شروع ہوا تو دوسری طرف خراسان کی جانب سے سلجوقی سلطنت کا آغاز ہوا۔ سلجوقی سلطنت 11 ویں تا 14 ویں صدی عیسوی کے درمیان مشرق وسطی اور وسط ایشیا میں قائم ایک مسلم بادشاہت تھی جو نسلا اوغوز ترک تھے۔ مسلم تاریخ میں اسے بہت اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ دولت عباسیہ کے خاتمے کے بعد عالم اسلام کو ایک مرکز پر جمع کرنے والی آخری سلطنت تھی۔ اس کی سرحدیں ایک جانب چین سے لے کر بحیرۂ متوسط اور دوسری جانب عدن لے کر خوارزم و بخارا تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کا عہد تاریخ اسلام کا آخری عہد زریں کہلا سکتا ہے اسی لیے سلاجقہ کو مسلم تاریخ میں خاص درجہ و مقام حاصل ہے۔ سلجوقیوں کے زوال کے ساتھ امت مسلمہ میں جس سیاسی انتشار کا آغاز ہوا اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اہلیان یورپ نے مسلمانوں پر صلیبی جنگیں مسلط کیں اور عالم اسلام کے قلب میں مقدس ترین مقام بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ صلیبیوں اور منگولوں کے حملے سے سلجوقیوں کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہو کر رہ گئی اور بالآخر 1260ء کی دہائی میں منگولوں کی اناطولیہ پر چڑھائی کے ساتھ آخری سلجوق سلطنت (سلاجقہ روم، آج کے دور میں تُرکی) کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

جب اناطولیہ میں سلجوقی سلطنت کا زوال ہو تو عثمان نے 1299 میں ایک الگ سلطنت کا اعلان کر دیا جو پھر عثمانی سلطنت کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا پہلا حکمران بھی عثمان تھا جو پھر 1324 میں وفات پا گئے اور پھر اس کی جگہ اسکا بیٹا اورخان حکمران بنا۔ اس سلطنت نے بہت جلد ہی بہت سے علاقوں کو اپنے سلطنت میں شامل کر دیا۔ 1453 کو قسطنطنیہ فتح کیا جس کی بشارت محمد ﷺ نے دی تھی۔ سلیمان اعظم قانونی کے دور میں یعنی 1520 سے 1566 تک سلطنت عثمانیہ کا انتہائی عروج کا دور تھا جو تقریباً 1595 تک جاری رہا۔ اس کے بعد اس سلطنت میں زوال شروع ہوا۔ رشوت کا بازار گرم ہونے لگا۔ اور پھر آخری وقت میں مصر میں مملوکوں کی سازشوں، عرب میں مختلف سازشوں، یورپی طاقتوں کی عمل دخل اور پہلی جنگ عظیم کی وجہ سے اس سلطنت کا اختتام 1923 میں ہوا۔ جس کے ساتھ ہی میڈل ایسٹ میں مسلمانوں کی حکمرانی کا اختتام ہو گیا۔

دوسری طرف وسطی ایشیا میں اور اس کے ساتھ ایران وغیر میں تیموری سلطنت قائم کی گئی۔تاریخ میں دو سلطنتیں تیموری سلطنت کہلاتی ہیں۔ جن میں سے پہلی امیر تیمور نے وسط ایشیا اور ایران میں تیموری سلطنت کے نام سے قائم کی جبکہ دوسری ظہیرالدین بابر نے ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے نام سے قائم کی۔وسط ایشیااور ایران میں سلطنت 1370سے لے کر1526تک رہا۔1507میں شیبانی خان نے ہرات پر حملہ کر کے وسط ایشیا میں تیموری سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔امیر تیمور نے وسط ایشیا، سینٹر ایشیا کا کافی علاقہ اور مغرب کی طرف عثمانی سلطنت کو بھی فتح کر لیا تھا۔ لیکن تیمور کے وفات کے بعد یہ سلطنت بھی زوال کا شکار ہوا۔

امیر تیمور کی سلطنت جو ظہیرالدین بابر نے ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے نام سے قائم کی۔ ظہیرالدین بابر اصل میں تیموری خاندان کا ہی ایک سردار تھا۔1206 کے بعد آج کے پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور کچھ حصہ افغانستان کا اس پر دہلی سلطنت کی حکومت تھی۔اس پورے علاقے کو ہندوستان کہا جاتا ہے۔1206ء سے 1526ء تک ہندوستان پر حکومت کرنے والی کئی حکومتوں کو مشترکہ طور پر دہلی سلطنت کہا جاتا ہے۔ترک اور پشتون نسل کی ان حکومتوں میں خاندان غلاماں1206 ء سے 1290، خلجی خاندان1290ء سے 1320ء، تغلق خاندان1320 ء سے 1413ء، سید خاندان1414 ء سے 1451ء اور لودھی خاندان1451 ء سے 1526ء کی حکومتیں شامل ہیں۔ 1526ء میں دہلی کی آخری سلطنت مغلیہ سلطنت میں ضم ہو گئی۔1398ء میں امیر تیمور کے حملے کے باعث سلطنت دہلی کو زبردست نقصان پہنچا اور اودھ، بنگال، جونپور، گجرات اور مالوہ کی آزاد حکومتیں قائم ہو گئیں۔لودھیوں کے دور حکومت میں دہلی سلطنت کافی حد تک بحال ہو گئی اور بالآخر 1526ء میں ظہیرالدین بابر نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔اور یہ سلطنت پھر 1857تک قائم رہی۔اس مغلیہ خاندان کے خاتمے کے ساتھ ہی مسلمانوں کی حکمرانی کا دور ہندوستان میں بھی ختم ہو گیا۔

امت مسلمہ کا زوال:

تقریباً چھ صدیوں تک عربیوں کو اللہ نے دنیا پر حکومت کرنے کا موقع دیا۔اور پھر تقریباً اللہ نے چھ صدیوں تک ہی عجمیوں کو حکومت کرنے کا موقع دیا۔ لیکن پہلی دور کے بعد کبھی بھی صحیح معنوں میں اللہ کا نظام قائم کرنے کوشش نہیں کی گئی ۔اسلام کے ابتدائی سو سال بعد اسلام کا زوال شروع ہوا تھا۔ عباسی دور میں فتنوں کا آغاز ہو جس کے بعد اس میں شدت آئی اور

عربوں پر زوال آگیا پہلے اللہ نے ایک جھلک دیکھائی پہلی صلیبی جنگ کی شکل میں اور پھر اس کے ایک ہی صدی بعد تاتاریوں کی شکل میں عذاب کا کوڑا برسایا۔

پہلا زوال عربوں پر:

پہلی صلیبی جنگ گیارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں مسیحی یورپ کی جانب سے مسلمانوں پر مسلط کی گئی یہ طویل جنگوں کا پہلا معرکہ تھا۔اس جنگ کا اعلان مسیحیوں کے روحانی پیشوا پوپ اربن ثانی نے 1095 ء میں کیا تھا کہ القدس اور مسیحیوں کے دیگر مقدس مقامات کو مسلمانوں سے چھین لیا جائے۔اس مطالبے کے بعد مسیحیوں کا مذہبی جنون عروج پر پہنچ گیا اور مغربی یورپ سے مزارع سے لے کر شہزادے تک بڑی تعداد میں مشرق وسطیٰ کی جانب چل پڑے۔زمینی وسمندری دونوں راستوں سے گزرنے کے بعد مسیحیوں نے 15 جولائی 1099 ء میں القدس پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا۔ تقریباً 70 ہزار مسلمانوں کو باب داود کے سامنے قتل کیا گیا-ان فتوحات کے بعد مسیحی یورپ نے سلطنت یروشلم اور دیگر ریاستیں قائم کیں۔حالانکہ یہ ریاستیں دو سو سال سے بھی کم عرصے تک قائم رہیں لیکن یہ مشرق کی جانب مغرب کی توسیع کا نقطہ آغاز تھا۔ پہلی صلیبی جنگ صلیبی جنگوں کے سلسلے کا واحد معرکہ تھی جس میں مسیحی بزور قوت القدس کو فتح کرنے میں کامیاب ہوئے۔ القدس پر یہ مسیحی قبضہ تقریباً ایک صدی تک قائم رہا جس کے بعد مسلمانوں نے صلاح الدین ایوبی کی زیر قیادت القدس مسیحیوں سے واپس چھین لیا۔یہ تھی وہ ایک جھلک جو عرب مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے ایک ورننگ تھی۔

اس کے بعد منگول سلطنت 'تیرھویں اور چودھویں صدیوں میں ایشیا میں قائم کی گئی-یہ سلطنت مشرقی یورپ تک پھیلی ہوئی تھی- 1206ء میں چنگیز خان نے اپنے آپ کو مغل قوم کا حاکم اعلان کیا-جب وہ 1227 میں مرا تو وہ وسطی ایشیا، شمالی چین اور مشرقی فارس کا کچھ حصہ فتح کر چکا تھا-چنگیز خان کے بعد اس کے جانشینوں نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا -یہاں تک کے منگول سلطنت مشرقی یورپ سے مغربی ایشیا تک پھیل گئی۔جس میں مشرق وسطی اور وسطی ایشیا بھی شامل تھے۔ چنگیز خان کے لڑکے تولی خان کے تین بیٹے تھے۔ان میں ایک منگو خان تھا جو قراقرم میں رہتا تھا اور پوری منگول سلطنت کا خان اعظم تھا، دوسرا بیٹا قبلائی خان تھا جو چین میں منگول سلطنت کا بانی تھا جبکہ تیسرا لڑکا ہلاکو خان تھا۔ ہلاکو خان جس کی پیدائش 1218 ء اور وفات 1265 ءمیں ہوئی۔یہ ایل خانی حکومت کا بانی اور منگول حکمران چنگیز خان کا پوتا تھا۔ منگو خان کے زمانے میں شمال مغربی ایران میں ایک اسماعیلی گروہ حشاشین نے بڑا ہنگامہ اور خونریزی شروع کر دی۔یہ علاقہ منگولوں کے زیر حکومت تھا۔اس لیے وہاں کے باشندوں نے منگو خان سے اس ظلم و ستم کے خلاف فریاد کی۔ منگو خان نے اس شکایت پر اپنے بھائی ہلاکو خان کو 1256ء میں ایران کا حاکم بنا کر روانہ کیا اور اس کو اسماعیلیوں کے خلاف کارروائی کرنے کا

حکم دیا۔ ہلاکو نے اسی سال اسماعیلیوں کے مرکز قلعہ الموت پر قبضہ کرکے اسماعیلی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور ان کے آخری بادشاہ خورشاہ کو قتل کر دیا۔

اسماعیلیوں کا زور توڑنے کے بعد ہلاکو خان نے بغداد کا رخ کیا جو اس زمانے میں شیعہ سنی فساد کا گڑھ بنا ہوا تھا اور جس کی وجہ سے خلیفہ مستعصم باللہ کے شیعہ وزیر ابن علقمی نے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا۔ 1258ء میں بغداد تباہ کرنے کے بعد ہلاکو خان نے پورے عراق پر قبضہ کر لیا اور بصرہ اور کوفہ کے عظیم شہر تباہ و برباد کر دیے۔ اس کے بعد منگول فوجوں نے جزیرہ کے راستے شام پر حملہ کیا۔ منگول فوجیں نصیبین، رہا اور حران کے شہروں کو تباہ کرتے ہوئی حلب پہنچ گئیں جہاں 50 ہزار مرد قتل عام میں مارے گئے اور ہزاروں عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا گیا۔ منگول فوجیں اسی طرح قتل و غارت کرتی اور بربادی پھیلاتی ہوئی فلسطین پہنچ گئیں لیکن یہاں ناصرہ کے جنوب میں عین جالوت کے مقام پر 25 رمضان 658ھ بمطابق 1260ء کو ایک خونریز جنگ میں مصر کے مملوکوں نے ان کو شکست دے کر پورے شام سے نکال دیا اور اس طرح مصر منگولوں کے ہاتھوں تباہی سے بچ گیا۔ اسی طرح مسلمانوں کو کئی صدیوں بعد پہلی بار اتنی بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑا ۔

دوسرا زوال عجمیوں پر:

پہلے زوال کے بعد اللہ نے مسلمانوں کو ایک بار پھر اقتدار عطا کیا ترک قوم کے ذریعے سے۔ سلطنت عثمانیہ نے یورپ، ایشیا اور افریقہ تک اپنی جڑیں پھیلا لی۔ اور ہندوستان میں مغل خاندان کی شکل میں مسلمانوں کو اقتدار عطا کیا۔ لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مغل خاندان میں شراب نوشی اور اسی طرح کی غیر اخلاقی کام ہونے لگے۔ 1857 میں انگریزوں نے پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ بہت سے مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ دوسری طرف خلافت عثمانیہ میں اس وقت سے مختلف سازشیں ہو رہی تھی۔ جس میں یہودی پیش پیش تھے اور اس کے ساتھ یورپ نے بھرپور کوشش شروع کر دی تھی ۔تاکہ وہ سلطنت عثمانیہ کو ختم کرے۔ لیکن اصل وجہ سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کا وہ بھی خود مسلمان ہی تھے۔ جنہوں نے دنیا کی لالچ اور اقتدار کی لالچ میں سعودی عرب میں بغاوت کی جس سے سلطنت کمزور ہو گئی۔ اور دوسری طرف مصر پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ اندرونی سازشوں کے بعد سلطنت عثمانیہ 1923 میں ختم کر دی گئی۔

اس کے ساتھ پوری دنیا سے مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد آج تک ہم انگریزوں کے غلام بن کر رہ رہے ہیں۔ 1947 تک وہ ہم پر ڈاریکٹ حکومت کرتے تھے۔ مگر اس کے بعد انہوں نے indirect حکومت

کا آغاز کیا۔ پچھلے نصف صدی سے جس نے بھی اسلام کو اپنے اداروں میں قائم کرنے کی بات کی تو ان کو تو یا قتل کیا گیا یا جلا وطن کیا گیا یا اسے دہشت گرد کہ کر ٹارگٹ کر کے دنیا کے سامنے ایک ظالم کے طور پر پیش کیا گیا۔ مسلمانوں پر ہر طرف سے قتل عام ہو رہا ہے ایک مظلوم امت کی حیثیت سے ہم رہ چکے ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں دہشت گر کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ یہی تو ہے وہ اللہ کا عذاب جسے پہلے اللہ نے یہودیوں کو دیا اور اب اسی کے زریعے سے ہمیں دے رہے ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ "ذلت وخواری پستی و بد حالی ان پر مسلط ہو گئی اور وہ اللہ کے عذاب میں آ گئے" سورۃ البقرہ ایت نمبر 61۔ اللہ نے ہمیں تقریباً 12 صدیوں کی مہلت دی تھی۔ جس میں صرف اسلام کے ابتدائی دور میں صحیح اسلامی نظام قائم ہوا۔ لیکن اس کے بعد قائم کرنا تو دور کی بات ہم نے کوشش بھی چھوڑ دی۔ تو پھر اللہ نے ہمیں دوسرے قوموں کا محتاج بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت کبھی بھی نہیں بدلتی خواہ کسی کے لئے ہو خواہ وہ بنی اسرائیل ہو یا امت مسلمہ ہو اگر وہ اللہ کی ایات پر عمل نہیں کرے گے تو اسکا انجام ایک ہی ہو گا۔ "ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے، لیکن اگر تم نے پھر اپنی روش کا اعادہ کیا تو ہم بھی پھر اپنی سزا کا اعادہ کرے گے۔" سورۃ بنی اسرائیل ایت نمبر 8۔ ہم نے بھی وہی کیا اپنی ذمہ داری سے منہ چرا کر بھاگ گئے اور دنیا کے زینت اور اس میں اضافہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ بنی اسرائیل نے جو کام کیا وہی ہم کر رہے ہیں۔ انہوں نے اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ شرک میں لگ گئے تھے۔ ہم نے بھی اللہ کا کلام چھوڑ دیا ہے۔ پچھلی قومیں جس اخلاقی زوال میں مبتلا تھے، اس میں ہم بھی ہوئے ہے۔ تو آپ خود بتائے اگر ہم نے بنی اسرائیل کی اور دوسری قوموں کی غیر اخلاقی روش اختیار کی ہے تو کیا اللہ اپنی سنت کو دوہرائے گا نہیں؟

آج ہم اقتصادی طور پر IMF اور World Bank کے غلام ہے۔ اس کی وجہ قرض اور وہ بھی سود پر۔ ہم تعلیمی اعتبار سے اسی کے مضامین، تیوریز، کتابیں اور ایجادات کے بارے میں پڑھ رہے ہے۔ جو کسی وقت یہ سب ہمارے پاس تھے۔ خواہ سائنس کا کوئی بھی شعبہ ہو اب سب میں مغرب آگے ہے اور ہم ان کے غلام ہے۔ وہ جو کرتے ہے ہم اسے فالو کرتے ہیں۔ سائنس کا آغاز مسلمانوں نے کیا تھا۔ عباسی دور میں موسیٰ خاظمی، جابر ابن حیان، ابن الہیسم اور ابن سینا جو عراق اور ایران سے تھے انہوں نے Algebra, Algorithm, Chemistry, Medicine میں اپنا بھرپور لوہا منوایا۔ اسی طرح سپین میں ابن سینا، ابو القاسم الزہراوی اور اسی طرح کے اور بہت سے سائنسدان۔ انہی سب نے سائنس کی بنیاد رکھی تھی۔ سیاسی نظام ہمارا تھا، معاشی نظام مسلمانوں کا تھا، سب سے بہترین معاشرہ مسلمانوں کا تھا۔ لیکن اللہ نے یہ حیثیت ہم سے چھین لی اور ہمارے مقابل لوگوں کا دے دی۔ کیونکہ ہم نے دنیا کو لیڈ کرنے اور مسلمان اور اسلام کی صحیح Representation کرنے کی ذمہ داری کو پیچھے چھوڑ کر دنیا کی آسائیشوں کو حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

دونوں امتوں کے عروج اور اسکے زوال کے بتانے کا مقصد:

دونوں اقوام کے حالات بیان کرنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ ہر مسلمان کو کچھ باتوں کا علم ضرور ہونا چاہیے۔ پہلی بات کی اللہ نے اس امت کے ہر فرد پر کونسی اہم ذمہ داری عائد کی ہے۔ دوسری بات کیا ہم سے پہلے بھی کسی قوم کو یہ ذمہ داری دی گئی تھی۔ تیسر بات کیا بنی اسرائیل نے وہ ذمہ داری پوری کی اگر پوری نہیں کی تو ان کے ساتھ اللہ نے کیا سلوک کیا۔ چھوتی بات کہ ہم نے وہ ذمہ داری پوری کی ہے اگر پہلے کی تو کیا نتیجہ نکلا اور جب ہم غافل ہوئے تو کیا ہوا ہمارے ساتھ۔ پانچھوی بات کیا اللہ نے وہی کیا جو ہم سے پہلے بنی اسرئیل کے ساتھ ہو تھا۔ چھٹی بات کہ آج ہم جس مقام پر کھڑے ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ ان سب باتوں کو مد نظر رکھ کر سوچیں کہ جس نے ذمہ داری پوری کرنے کی کوشش کی تو اسے کیا ملا اور جس نے لاپرواہی برتی اس کا کیا نتیجہ نکلا۔

اب حل کیا ہے؟

آپ سوچیں یہ جو کچھ ہو اور آج بھی ہو رہا ہے کیا وہ اللہ کے حکم سے نہیں ہو رہا؟ اگر اللہ کا اِذن ہے تو کیا وجہ ہے۔ (نعوذ باللہ) کیا اللہ مسلمانوں اور اسلام سے دشمنی رکھتا ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی؟

یہ سب کچھ جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے وہ صرف اور صرف اللہ کا عذاب ہے۔ اللہ کے عذاب کے مختلف شکل ہوتے ہے۔ اس بار کسی کے ذریعے سے ہمیں اللہ نے عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اچھا اب یہ عذاب ہم پر کیوں ہے؟ دیکھیے قانون کا کیا ہے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ جس قوم کو کتاب دے شریعت دے۔ پھر وہ قوم اس زمین پر اللہ کی نمائندہ قوم ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اپنے عمل سے صحیح نمائندگی کریں۔ صحیح اسلام دنیا کو دیکھائے دنیا کو اسلام کی دعوت دے عمل اور قول دونوں سے۔ تو اللہ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔ لیکن اگر تم نے اپنے عمل سے اسلام کو Miss Represent کرنا شروع کیا جیسا کہ ہم کر رہے ہیں۔ اسلام کو کہی دیکھانہ پائے کہ آو دنیا والوں دیکھوں یہ ہے اسلام۔ تو پھر مسلمان کافروں سے بدتر ہے اللہ کی نگاہ میں (یہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا جملہ ہے)۔ دیکھیے کافروں کا حساب یا تو آخرت میں ہونا ہے۔ یا کبھی ہوتا تھا جب کبھی رسول آتے تھے لیکن رسول کا انکار کرتے تو انہیں دنیا میں ہی تہس نہس کر دیا گیا۔ لیکن امت مسلمہ کا معاملہ الگ ہے۔ ان کا مجموعی حساب کتاب دنیا میں ہونا ہے۔ آخرت میں حساب سب کا انفرادی حیثیت سے ہو گا۔ لیکن اجتماعی طور پر امت کی حیثیت سے ہماری کاموں کی سزا یہی دنیا میں ملی گی۔ یہودیوں کو اللہ نے جس طرح ذلیل کیا تھا۔ آج ہم بحیثیت امت وہاں کھڑے ہو چکے ہیں۔

آج ہم مذہب کے اعتبار سے بہت آگے ہیں۔ عقائد، عبادات، رسومات یہ حصہ آج بھی مسلمانوں کے اندر بہت اہم ہے۔ مسلم امہ اسی میں بڑھ رہی ہے اسی میں لڑائیاں، مناظریں ہو رہی ہے۔ مختلف فرقوں میں بٹ چکے ہیں۔ اتنا آگے چلے گئے ہے کہ ایک دوسرے کو کافر سمجھنے لگ گئے ہیں۔ اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتے۔ تو مذہب کے حوالے سے پوری دنیا میں خواہ وہ مسلمان ملک ہو یا غیر مسلم اس کی کمی نہیں ہے اور نہ طاغوت آپ کو اس سے منع کر رہی ہے۔ بلکہ الٹا وہ تو چاہتی ہے کہ بس مسجدوں کو آباد رکھے ایک دوسرے سے مناظرے کرے۔ لیکن اسلام کو سیاست، معاشرت میں نہیں لانا۔ البیہقی کی روایت ہے کہ "جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے جبرائیلؑ کی طرف وحی فرمائی کہ فلاں فلاں شہر کو اس کے باسیوں سمیت الٹ دو۔ اس نے عرض کیا: یا اللہ! ان میں تو فلاں بندہ ہے جس نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تیری نافرمانی

نہیں کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ نے فرمایا: اس شہر کو اس پر اور ان پر الٹ دے، کیونکہ اس کا چہرہ میری خاطر کبھی لمحہ بھر کے لئے بھی متغیر نہیں ہو" مشکوۃ المصابیح ۵۱۵۲ فرض کیجیے آپ کو کوئی گالی دے اور آپ میں تھوڑی سی بھی طاقت ہے تو کیا آپ اسے جانے دیں گے ؟ اگر طاقت نہیں ہے' گالی دینے والا بہت طاقتور ہے اور آپ کمزور ہیں تو کم سے کم آپ کا چہرہ تو سرخ ہو جائے گا نا! اس لیے کہ غیرت و حمیت کا بھی کچھ تقاضا ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث قدسی میں بھی اللہ عزو جل نے یہی فرمایا کہ اس کے چہرے کا رنگ تک کبھی نہیں بدلا۔ معاشرے میں کیا ہو رہا ہے' اسے پتا ہی نہیں ہے. بس اپنی خانقاہ میں بیٹھا ہوا ہے' کوئی اگر آ گیا تو اسے کلمہ خیر سنا دیا' ورنہ کچھ نہیں. اللہ اللہ خیر سلا! یعنی جو اس کے مرید ہو گئے ان کا تزکیہ تو وہ کر رہا ہے لیکن باقی ماحول سنسان ہے۔ باہر نکل کر وہ اپنا کردار ادا نہیں کر رہا حالانکہ ان بستیوں کے اندر بدی پھیلتی رہی۔ ان میں منکرات کی اشاعت ہوتی رہی اور یہ آرام سے اپنی عبادت میں لگا رہا۔ آج کیا ہو رہا ہے وہی دین اسلام کا مذاق بنایا جارہا ہیں۔ اسلامی نظام کو دہشت گردی کا نظام بنایا جارہا ہیں۔ سب اپنے اپنے دنیا میں ترقی کرنے میں مصروف اور اور زیادہ سے زیادہ نماز کے لئے ٹائم نکال لیتے ہے۔ اگر ہماری انکھیں اس حدیث سے بھی نہیں کھلتی تو بس پھر ہمارا اللہ ہی حافظ۔

دین کے اعتبار سے ہم زیرو ہیں۔ ہم ایک انچ سکوئیر کے برابر بھی زمین پیش نہیں کر سکتے کہ آو ہم نے یہاں اللہ کا نظام قائم کیا ہے۔ اجتماعی لحاظ سے ہم نے کسی بھی جگہ پر اسلام کو نافذ نہیں کیا۔ اور اصل ہمارا یہی تھا جو شائد ہم جانتے بھی نہیں۔ حضور ﷺ کی آمد کے بعد سب سے بڑا اہم ترین معاملہ اجتماعی نظام کا ہے۔ انفرادی نیکی تو پہلے بھی کم نہیں تھی۔

اس امت میں پہلا مجرم عرب ہے کیونکہ ان میں حضرت محمد ﷺ مبعوس ہوئے۔ بڑا رتبہ ملا۔ دوسرا ان کے مادری زبان میں قرآن موجود ہے۔ اسکے باوجود جس جس طرح پچھلی صدی میں انگیریزوں کی حکومت ختم ہوتی گئی۔ کسی عرب ملک نے اپنا قبلہ ماسکو بنایا (شام، عراق، مصر) اور کسی نے واشنگٹن (باقی سارے)۔ تو ان سے بڑا مجرم اور کون ہو گا۔ اسی لئے سب سے بڑی اور خونریز جنگ اسی پر مسلط ہو گی۔

دوسرا مسلمانان پاکستان ہے۔ کیوں ہم نے ایک ملک مانگا تھا، گڑ گڑا کر کہ اے اللہ ہمیں انگریزوں کی غلامی سے نکال کر ہندووں کی غلامی میں مت دینا۔ اے اللہ ہمیں ایک علیحدہ زمین کا ٹکڑا دے دے۔ تا کہ ہم تیری دین کا بول بالا کریں۔ اور جب ہمیں اللہ نے یہ ملک معجزانہ طور پر دے دیا تو۔ ہم نے یہ سوچ لیا کہ ہمیں ایک ملک مل گیا ہے۔ ہم ترقی کریں گے۔ بڑے بڑے تاجر بن جائے گے اور ہماری فوج سب سے بہترین ہو گی۔ لیکن جب اسلام کی بات آئی تو ہم بھول گئے۔ مسجدیں تو بنا دی اور ہاں اسمبلیوں

پر بھی کلمہ لکھ دیا لیکن اسلام کو ایک نظام کے طور پر نہیں مانتے گے۔اس سے بڑا مجرم اور کون ہو گا جو آپ سے ایک معاہدے کے طور پر کوئی چیز لے لے لیکن وہ اس معاہدے کے مخالف کام کرے۔ جس کے خلاف اللہ نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے۔اسی پر ہمارا معاشی نظام (سود) ہے۔تو اسی لئے ہمارا معاشی نظام، ہمارا تعلیمی نظام، ہمارا معاشرتی نظام دن بدن خراب ہوتا جارہا ہے اور حکمران کے بعد اگلا حکمران اس سے بدتر ہوتا ہے اور یہی ہماری سزا ہیں۔

اُمید ہے اب آپ کو اصل مسئلے کا پتا لگ چکا ہو گا۔اب اتے ہے اس کے حل کی طرف۔آج کے دور کے انسان میں انفرادی طور پر ہر ایک میں تین نکات پائے جاتے ہیں۔ جسکی وجہ سے وہ صرف اسلام کو مذہب تک اختیار کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر اسلام کو ایک مکمل دین کے طور پر اپنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ان تین نکات کو ذہن نشین کر کے اپنے اندر تلاش کرے اگر ہے تو اسکی اصلاح کرنے کی فوری کوشش کریں۔وہ تین نکات مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔اللہ ہاں ہے، ہو گا۔ لیکن اصل تو یہ دنیا ہے، یہ قائنات ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ ہے بلکل ہیں۔وہ ہر جگہ موجود ہے۔وہ سب کچھ جانتا ہے۔ لیکن یہ سب باتیں مسجدوں میں ہو گی۔ مسجد سے نکلنے کے بعد اللہ کو بھول جاوں۔ مسجد کے باہر ہم جو چاہے گے جو ہماری جی میں آئے گا وہی ہم کریں گے۔یہ آج کے انسان کا خواہ وہ مسلم ہو یا نہ ہو غیر شرعی طور پر اگر آسان الفاظ میں کہا جائے تو عملی طور پر ہمارا یہی رویہ ہے۔انسان کہتا ہے کہ ہاں میں مسجد آجاوں گا رکوع اور سجود کر لونگا۔ قرآن کی تلاوت بھی کر لوگا اور کرتا بھی ہوں، جب کسی کی موت آجاتی ہے یا نیا گھر تعمیر ہو جاتا ہے، یا رمضان کا مہینہ آجاتا ہے اور اسی طرح کے خاص مواقع پر ضرور تلاوت کرتا ہوں۔ لیکن اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اگر سمجھ بھی جاوں تو عملی طور پر اختیار نہیں کروں گا۔آج کا انسان تو اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ عملی طور پر وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں زکوۃ دوں گا لیکن سود، حرام مال ضرور کماوں گا۔ حج ضرور ادا کروگا ایک نہیں دو دو مگر میں دھوکہ اور ملاوٹ اور ایک دوسرے میں نااتفاقی پیدا کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔روزہ ضرور رکھونگا مگر غریب اور مسکینوں کا خیال اور مدد کرنا تو دور کی بات اسکے مال کو ہر حال میں ہڑپنے کی آخری حد تک کوشش کروں گا۔ میں قرآن کی تلاوت ضرور کروں گا، مگر میں جوا کھیلوں گا، شراب پیو گا، مظلوموں پر ظلم ضرور کروں گا، ایک دوسرے کا مذاق ضرور اُڑاو گا، لغویات سے دور نہیں رہوں گا، ایک دوسرے کو برے القابات سے اجتناب نہیں کروں گا اور رشوت ضرور لونگا کیونکہ اسکے بغیر ہمارا گزارا نہیں ہو گا، وعدوں کی خلاف ورزی اور امانتوں میں خیانت ضرور کروں گا اور دنیا کی مال میں اضافہ ہر حالت میں

کروں گا۔ ہم نماز میں کم از کم 17 بار ضرور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہے لیکن نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم ضرور اس بات کو بھول کر تعویذ وغیرہ باند لے گے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ اپنے اندر تفریق مت کروں لیکن ہم ضرور کریں کیونکہ ہمارا گزارا نہیں ہو گا۔ پھر ہمارا ٹائم کیسے گزرے گا اختلافات اور جھگڑے کس سے کریں گے۔

اسی بارے میں اللہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا کہ "کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو "سورۃ البقرہ ایت نمبر 85 اللہ کو یہ بات پتا تھی کہ ہم یہ کام کریں گے اسی لئے اللہ نے پہلے ہی قرآن میں ارشاد فرمایا دیا ہے کہ "اے ایمان والوں تم پورے کے پورے اسلام میں ہو داخل ہو جاو اور شیطان کی پیروی مت کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے "سورۃ البقرہ ایت نمبر 208 یعنی کسی استثنا کے بغیر اپنی پوری زندگی کو اسلام کے تحت لے آو۔ تمہارے خیالات، تمہارے نظریات، تمہارے علوم، تمہارے طور طریقے، تمہارے معاملات، اور تمہاری سعی و عمل کے راستے سب کے سب بلکل تابع اسلام ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بعض حصوں میں اسلام کی پیروی کرو اور بعض حصوں کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کر لو۔ جہاں پر آپ کے خواہش کے مطابق ہو اس پر عمل کرو لیکن جب نہ ہو تو عمل کرنا چھوڑ کر اپنی مرضی اختیار کر لو۔

۲۔ آخرت ہاں ہو گی۔ لیکن کسے پتا کب آئی گی۔ کسی نے آکے بتایا بھی نہیں کہ کب آئی گی۔ کچھ خیال ضرور ہوتا ہے لیکن یقین نہیں آتا۔ لیکن ہاں یہ دنیا تو ہے ہم دیکھ رہے ہیں۔ یہ دنیا تو مطلوب ہے اسے تو بناو۔ یہی زندگی ہے اسے انجوائے کرو۔

اس سے مراد ہے کہ آخرت ہاں آئی گی مگر جب ائی گی تب دیکھا جائے گا۔ ابھی تو میں اس دنیا میں ہوں۔ فل حال اسے بنانے اور بڑھانے کی کوشش کروں گا۔ جتنا مجھے اللہ اس دنیا کی حقارت اور فنا ہونے کے بارے میں بتائے گے اتنا ہی میں اس دنیا کو اپنا مقصد بناوں گا۔ "دنیا کی زندگی تو ایک کھیل تماشا ہے اور یقیناً آخرت کا گھر ہی بہتر ہے۔ سورۃ الانعام ایت نمبر 32""اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا اصل زندگی کا گھر تو آخرت کا گھر ہے۔ سورۃ العنکبوت 64" میں قرآن میں اللہ کی وعید ضرور دیکھتا اور پڑھتا ہوں "جن لوگوں نے کفر و انکار کی روش اختیار کی ہے انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں سخت سزا دوں گا اور وہ کوئی مددگار نہ پائے گے "سورۃ الاعمران 56 لیکن جب وقت آئے گا تب دیکھا جائے گا۔

۳۔روح کوئی شے ہے یا نہیں اللہ جانے۔ چلو ہو گی۔لیکن یہ جسم تو یقینی ہے۔اس جسم کو سوارو،اس کو بناو،اچھی طرح اس کی خوبصورتی کو بڑھاو۔اس جسم کو اچھی سی اچھی خوشبوں لگاو۔اچھی غذا فراہم کرو۔اس جسم کو لوگوں کے سامنے ایک ماڈل کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کروں۔تاکہ لوگ آپ کی جسم کی تعریف کریں. لیکن اپنے تزکیے کو چھوڑوں۔ہم اندر سے بلکل ختم ہی کیوں نہ ہو جائے مگر ہمارا جسم خراب نہیں ہونا چاہیے۔ہمارا دل بلکل کالا ہی کیوں نہ ہو جائے یا پتھر ہی کیوں نہ ہو جائے مگر اپنے جسم کو کبھی داغ بھی مت لگاو۔

یہ وہ بنیادی تین دجال ہے جو ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ان تین نکات کی وجہ سے مغرب پوری طرح چلا گیا ہے۔ وہ اس کی لپیٹ میں آچکا ہے،اور ہم بھی کچھ اسی کیفیت میں مبتلا ہیں۔اب آپ اپنے آپ سے یہ سوال کرے کہ آپ کی زندگی کی بھاگ دوڑ کا اصل مقصد کیا ہے۔کیا وہ یہی تین دجال ہے یا صحیح معانوں میں اللہ،آخرت اور روحانی پاکیزگی؟

حل صرف ایک ہی ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "سب مل کر اللہ رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو" سورۃ الاعمران ایت نمبر 013 اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے،اور اس کو رسی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔اس رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت دین کی ہو۔اسی سے ان کو دلچسپی ہو۔اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اسی کی خدمت کے لئے آپس میں تعاون کریں۔ جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی توجہات اور دلچسپیاں جزئیات کی طرف منعطف ہوئیں۔پھر ان میں لازماً وہی تفرقہ اور اختلاف رونما ہو جائے گا۔بلکہ ہو گیا ہے۔جو اس سے پہلے انبیاءؑ کی امتوں کو ان کے اصل مقصد سے منحرف کر کے دنیا اور آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا۔

سب سے پہلے آپ اس رسی کو خود تامیں۔اپنے آپ سے اس کا آغاز کریں۔ پہلی ترجیح اپنے آپ کو دیں۔اللہ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ "اے ایمان والوں اپنی فکر کرو" سورۃ المائدہ 105۔قرآن کو سمجھنے کی کوشش شروع کرے۔ حضور ﷺ کی زندگی کو پڑھیے۔ احادیث کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔اپنے آپ کو قرآن و حدیث سے جوڑے۔اپنے آپ پر محنت کریں۔اسلام کو نظام حیات کے طور پر اپنائے۔ اپنے زندگی میں ہر لمحہ اور ہر وقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پہلی ترجیح میں رکھے۔قرآن اور حدیث کو میں جو احکامات دیے گئے ہیں۔اس کا عملی طور پر اپنانے کی کوشش کریں۔آپ کے تجارتی معاملات ہو،معاشرتی معاملات ہو ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کرے۔

اس کے بعد اس پر بس نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آپ اپنے اہل و عیال کی بھی فکر کرے ان کی تربیت کریں۔ کیونکہ اس دوسرے ایت میں اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ "اے لوگوں جو ایمان لائے ہو بچاو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پھتر ہوں گے "سورۃ التحریم 6۔ اپنے اہل و عیال اور اپنے خاندان کو قرآن سے جوڑیں حدیث سے جوڑیں اور دوزخ کی عذاب سے بچانے کی ہر وقت کوشش کریں۔ یہ آپ کی دوسری ذمہ داری۔ آپ کے گھر میں خوشی ہو یا غم، کوئی بھی موقع ہو قرآن و سنت کے مطابق گزارنے کی کوشش کے۔ آپ کے خاندان کے ہر قسم کے معاملات خواہ وہ معاشرتی ہو، اخلاقی معاملات ہو، شادی بیاہ ہو، وراثت کے معاملات ہو، تعلیمی معاملات ہو سب کو قرآن و سنت کے مطابق حل کریں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ آخری اور اجتماعی طور پر اہم ذمہ داری: "اب دنیا میں بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ اسلئے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ "سورۃ ال عمران ایت نمبر 110 دنیا میں اسلام کو ایک نظام کی شکل میں لانے کی کوشش کرنا۔ ہر برائی سے لوگوں کو روکنا اور نیکی کی طرف اسکو دعوت دینا۔ ہر ظالم کا ہاتھ روکھنے کی کوشش کرنا۔ یہ کوشش کرنا کے ریاست کے ہر معاملے میں دین اسلام کا نفاذ کیا جا سکے ۔خواہ وہ سیاسی معاملہ ہو، خواہ وہ معاشرتی معاملات ہو، خواہ وہ تعلیمی معاملات ہو، خواہ وہ ریاستی معاملات ہو ہر ایک کو اپنے طاقت کے مطابق آخری حد تک کوشش کریں۔